عبدالعلیم محمد تفسیر صدیقی (جرات)

# سید المرسلین ﷺ کے اخلاق و اوصاف

چارسو ظلمت کے بادل چھائے ہوئے تھے۔ پوری انسانیت کفر وشرک کی تاریکیوں میں گھری ہوئی تھی۔ خانہ کعبہ جسے پوری دنیا کے مسلمان بیت اللہ کین ام سے یاد کرتے تھے' تین سو ساٹھ بتوں کا مسکن بن چکا تھا اور عالم انسانیت بری طرح گراہ رہی تھی۔ ایسے وقت میں مکہ کی سرزمین پر قریش خاندان میں آمنہ نامی خاتون کے بطن سے ۹ ربیع الاول بروز شنبہ صبح صادق کے بعد طلوع آفتاب سے قبل ایک دریتیم پیدا ہوا (یعنی محمد صلی اللہ علیہ وسلم) جسے کسی نے سرورِ عالم کا خطاب دیا تو کسی نے پیغمبر عالم کا' کسی نے محسن انسانیت' کسی نے شافع المذنبین کہا تو کسی نے سید المرسلین کے لقب سے ملقب کیا اور خود اللہ جل شانہ نے رحمۃ للعالمین اور خاتم النبیین کے لقب سے نوازا۔

ابھی آمنہ کا پھول پوری طرح سے کھل بھی نہ سکا تھا کہ بادِ صرصر کا ایک ایسا زبردست جھونکا آ پہنچا جس نے آغوشِ مادر سے محروم کر دیا۔ اب جگر گوشہ آمنہ اپنے دادا عبدالمطلب کی گود میں پرورش پانے لگا لیکن شاید [illegible] کو یہ بھی منظور [illegible] کا سایہ تادیر حاصل رہے۔ چنانچہ چند دنوں کے بعد دادا عبدالمطلب کا بھی انتقال ہو گیا۔ اب آپ کے حقیقی چچا ابو طالب کی محبتوں اور شفقتوں کا سہارا ملا۔ یہ اگرچہ مسلمان نہیں ہوئے تھے مگر شفقت ومحبت اور اخوت والفت کے وہ پھول برسائے کہ ماں باپ اور دادا کی جدائی نے اس پرغم واندوہ کا کوئی اثر نہ ڈالا اور زندگی کا کارواں رواں دواں رہا۔ یتیم بچہ لوگوں کی نگاہوں کا مرکز بننے لگا۔ یہاں تک کہ ایک دور ایسا بھی آیا کہ باشندگان مکہ نے اسے صادق وامین کے لقب سے نوازا۔ وہی مکہ کا صادق وامین ابھی عمر کے دو تہائی حصہ (یعنی چالیس سال) ہی گزار پایا تھا کہ غارِ حرا کے اندر منجانب اللہ نبوت کا تاج پہنانے کے لیے جبرائیل امین تشریف لائے اور آپ کو اللہ کی جانب سے ایک بہت بڑی ذمہ داری دی گئی۔ (یعنی دعوت الی اللہ کی) لیکن آپ نے عہدہ تبلیغ دین بخوبی سنبھال کر جوں ہی اللہ کی باتیں لوگوں کے کانوں تک پہنچانے کی سعی کی' آپ مصیبتوں' دقتوں' مجبوریوں اور پریشانیوں میں گھر گئے۔ وہی کفار و [illegible] جو آپ کو صادق وامین کہتے تھے اب

ساحر، شاعر، پاگل، دیوانہ و مجنوں کہہ کر پکارنے لگے۔ اہل وطن کے بچوں، بوڑھوں، جوانوں اور عورتوں نے اتنے ہی پر بس نہیں کیا، بلکہ راستے میں کانٹے بچھائے، گلیوں میں چلتے تو چھتوں سے آپ کے جسم اطہر پر کوڑا کرکٹ ڈالتے۔ یہاں تک کہ آپ اپنے مولد و مسکن کو الوداع کہنے پر مجبور ہونا پڑا۔ مگر ان تمام مصیبتوں کے باوجود آپ کے اخلاق کریمانہ میں فرق نہیں آیا، بلکہ آپ نے صبر وتحمل سے کام لیا۔

لیکن یہ حقیقت ہے کہ ایک نہ ایک دن حق کا بول بالا اور باطل کا منہ کالا ہوتا ہے اور ہوا بھی یہی کہ مظلوموں کے محسن اعظم کو آزادی کا پروانہ ملا اور اپنا پیارا وطن دوبارہ واپس ملا۔ تاریخ اس بات پر شاہد ہے کہ جب خاتم النبیین کو کفار ومشرکین پر فتح مبین حاصل ہوئی اور وطن عزیز کی آزادانہ و فاتحانہ اور شان وشوکت کے ساتھ داخل ہونے کا موقع ملا تو جنھوں نے آپ پر پتھروں کی بارش کی تھی، آپ کے ساتھیوں کو گرم گرم ریت پر لٹایا تھا اور چٹائیوں میں لپیٹ کر ناک میں دھواں دیا تھا، رسیوں سے باندھ کر مکہ کی گلیوں میں گھسیٹا تھا، سینے پر بھاری پتھر رکھ کر ہتھوڑا چلایا تھا، آپ کے راستے میں کانٹے بچھائے تھے، آپ کے ٹخنوں کو لہولہان کیا تھا، آپ کے دندان مبارک کو شہید کیا تھا، نماز میں سجدے کی حالت میں اونٹ کی اوجھڑی گردن پر ڈال دیتے تھے جس کو دیکھ کر آپ کی لاڈلی بیٹی لخت جگر نورِ نظر حضرت فاطمۃ الزہراء رضی اللہ عنہا کی آنکھیں آنسو بہاتی تھیں۔ جن لوگوں نے آپ کی ضیافت گالیوں سے کی تھی، جس نے آپ کے پیارے چچا سید الشہداء حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ کے کلیجے کو چبایا تھا اور مسلمان شہیدوں کی ناک کان کاٹ کر گلے کا ہار بنایا تھا اور آپ کو اور آپ کے ساتھیوں کو صفحۂ ہستی سے مٹانے کی حتی الوسع کوشش کی تھی۔ لیکن اس کے باوجود صادق ومصدوق رحمۃ للعالمین جناب محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے ساتھ وہ مشفقانہ اور دوستانہ سلوک کیا جس کی مثال دنیائے انسانیت پیش کرنے سے قاصر ہے۔

قربان جائیے قائد المجاہدین، امام المسلمین، سید المرسلین، پیغمبر عالم، محسن اعظم جناب محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر جنھوں نے دشمنوں پر کلی اختیار پانے کے باوجود شفقت ومحبت کے لہجہ میں فرمایا ''**لاتثریب علیکم الیوم اذھبوا فانتم الطلقاء**'' ''آج کے دن تم پر کوئی سرزنش نہیں۔ جاؤ تم آزاد ہو، تمھیں معاف کیا جاتا ہے۔ اسی کے بعد آپ نے اعلان فرمایا کہ جو شخص مسجد حرام میں داخل ہو جائے اس کو امان ہے اور جو شخص ابوسفیان کے گھر میں داخل ہو جائے، اس کو بھی امان ہے۔ محمد عربی صلی اللہ علیہ وسلم نے ابوسفیان کو یہ اعزاز حضرت عباس کی سفارش پر دیا تھا اور سیاسی تقاضا بھی یہی تھا کہ جو شخص اعزاز کا اہل ہو اسے اعزاز ومرتبہ دیا جائے تاکہ وہ شاداں وفرحاں ہو جائے اور اس کے دل میں جو شکوک وشبہات پیدا ہو رہے ہوں، وہ یکسر ختم ہو

جائیں۔ اس کا خوشگوار رزلٹ سامنے آیا کہ آگے چل کر ابوسفیان مسلمان ہوئے اور اسلام کے ایک مجاہد اور کمانڈر بنے۔ رضی اللہ عنہ۔

پیارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اس موقع پر کفار کے ساتھ جو حسن سلوک اور جو طریقہ اپنایا' اس سے خوش ہو کر ہزاروں کی تعداد میں کفار نے اسلام کی دعوت پر لبیک کہہ کر کلمہ توحید لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ پڑھا اور معرکہ حنین میں انہی لوگوں نے اپنی جوانمردی کا ثبوت دیا۔ یہ آپ کی سیاسی بصیرت اور عقلمندی کا نتیجہ تھا۔ اگر پیارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم انھیں معاف نہ کرتے بلکہ ان سے انتقام و بدلہ لے لیتے تو ایسی صورت میں اتنی زیادہ تعداد میں جوق در جوق لوگ مسلمان نہ ہوتے بلکہ اسلام سے کنارہ کشی کر کے کفر ہی کی حالت میں مرجانا پسند کرتے تھے۔

محسن انسانیت نبی مکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے اخلاق حسنہ سے کافروں کے سخت دل موم ہو گئے اور ان کے قلوب میں ایمان و عمل کی روشنی رچ بس گئی اور مسرت و شادمانی کے ترانے گاتے ہوئے مشرف بہ اسلام ہو کر صحابہ کرام کی فہرست میں اپنا نام شامل کرالیا۔

یہ تھیں چند جھلکیاں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے اخلاق و اوصاف کی۔ دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ عالم انسانیت بالخصوص داعیان اسلام کو آپ کے نقش قدم پر چل کر چمنہائے دین مبین کی آبیاری کرنے کی توفیق بخشے۔ آمین ثم آمین۔

## بقیہ: ترجمۃ الحدیث

ہیں۔ حالانکہ حضرت حسین رضی اللہ عنہ شہید ہیں اور قرآن کے فرمان کے مطابق وہ زندہ ہیں اور زندوں کے متعلق رونا' واویلا کرنا' نوحہ اور ماتم کرنا شہادت کے مرتبہ کی توہین ہے۔ جس کی تمنا خود نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والسلام نے کی اور صحابہ کرام بھی شہادت کی موت کی تمنا کرتے رہے۔ اگر یوں شہیدوں کے ماتم کی اجازت ہوتی تو سال بھر کے دنوں میں ہمارا کوئی دن بھی ماتم سے خالی نہ ہوتا۔ کیونکہ اللہ کے دین کی سربلندی کے لیے جتنی قربانیاں مسلمانوں نے دی ہیں' اتنی قربانیاں کسی قوم نے اپنے مذہب کی حفاظت کے لیے نہیں دیں۔ اگر تاریخ پر سرسری نظر دوڑائی جائے تو سال بھر میں کوئی ماہ' کوئی ہفتہ بلکہ کوئی دن ایسا نہیں ہوگا جس میں شہادت کا کوئی واقعہ یا رنج والم سے بھرپور کوئی سانحہ پیش نہ آیا ہو۔ اگر اسلام میں ماتم کی اجازت ہوتی تو ہم بارہ ربیع الاول کو ضرور ماتم کرتے کیونکہ اس دن مسلمان کائنات کی سب سے بڑی شخصیت (اللہ کے بعد) کے وجود مبارک سے محروم ہو گئے تھے اور سرکار دو جہاں صلی اللہ علیہ وسلم کی جدائی کے غم میں مدینہ پر تاریکی چھائی ہوئی تھی۔ اگر ہمیں ماتم کی اجازت ہوتی تو یکم محرم الحرام کو ضرور ماتمی مجلس برپا کرتے۔ کیونکہ اس دن خلیفۃ المسلمین حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ شہید ہوئے تھے۔ جن کے دور میں بائیس لاکھ مربع میل کا علاقہ فتح کیا جا چکا تھا اور ہر طرف اسلام کا جھنڈا لہرا رہا تھا۔ اگر ہم سوگ منا سکتے تو پھر اٹھارہ ذوالحجہ کو ضرور سوگ مناتے کیونکہ اس دن حضرت عثمان رضی اللہ عنہ شہید ہوئے تھے۔ جن سے فرشتے بھی حیا کرتے تھے۔ لیکن اسلام میں ماتم اور نوحہ وغیرہ کی کوئی اجازت نہیں۔ اس لیے بڑی بڑی شخصیات کے ایام سوگ کے ساتھ نہیں منائے جاتے' لہٰذا ہمیں ایسے مواقع پر اسلام کی تعلیمات کے مطابق عمل کرنا چاہیے تاکہ ہم کم از کم مسلمان ہونے کا ثبوت پیش کر سکیں۔

اللہ تعالیٰ ہم سب کو دین اسلام کا فہم و شعور اور عمل صالح کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین۔